پروفیسر مسعود احمد

سود کا مسئلہ

سرمایہ کی اساس تو دنیا بھر میں جس میں پاکستان بھی شامل ہے عموماً سود ہے۔ اور سود کے متعلق اسلام کے احکام اتنے شدید ہیں کہ پاکستان میں سرمایہ مہیا کرنے کا معاملہ کسی اور ملک سے کہیں پیچیدہ تر ہے۔ عوام الناس کے نزدیک سود حرام ہے تاجروں کے نزدیک ناگزیر ہے۔ حکومت کے سامنے اس کے سوا کوئی اساس سرمائے کی موجود نہیں ہے لہٰذا وہ اس کڑوی گولی کو منافع کے لفظ سے کھانڈ چڑھا کر قوم کو نگلنے کا مشورہ دیتی ہے۔ علمائے دین کو کفر کے فتووں اور بے مقصد بحثوں سے کبھی اتنی فرصت نہیں ملی کہ وہ اس اساسی سوال پر اتنی توجہ مبذول فرماسکیں جس کا یہ مستحق ہے اور مغربی علوم جاننے والے معاشی عام طور پر یورپ گزیدہ ہیں۔ انہوں نے قرآن کی آیات کے متعلق سنا تو ہے کہ وہ سود کو منع کرتی ہیں۔ لیکن انہیں قرآن حکیم کی صداقت کے ثبوت کے لئے بھی مغربی سند کی ضرورت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو سرمایہ مہیا ہو بھی سکتا ہے وہ بھی پوری طرح بروئے کار نہیں آتا کیونکہ قوم قرآن کریم کو پس پشت نہیں ڈال سکتی۔ چنانچہ سرمایہ مہیا کرنے کے طریقے کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی اساس کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔

سود کے متعلق قرآن کے احکام

قرآن حکیم کا ارشاد اس مسئلے میں اس قدر واضح ہے کہ تحریف کرنے کی ساری قوت کو سلب کر لیتا ہے صرف متعلقہ آیات پڑھ لیجئے:

الذین یاکلون الربوٰا لا یقومون
الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن
من المس ط ذٰلک بانھم قالوا انما
البیع مثل الربٰوا م و احل اللہ البیع و
حرم الربٰوا ط فمن جاءہ موعظۃ
من ربہ فانتھٰی فلہ ما سلف ط
و امرہ الی اللہ ط و من عاد فاولٰئک
اصحٰب النار ج ھم فیھا خٰلدون ٥
یمحق اللہ الربٰوا و یربی الصدقٰت ط و

جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہوگی جیسے
کسی کو شیطان نے خود چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس وجہ
سے ہوگا کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ تجارت بھی ایک طرح کا سود
ہے حالانکہ اللہ نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور
سود کو حرام فرمایا ہے۔ پس جس کے پاس اللہ کی نصیحت
پہنچی اور وہ رک گیا تو اس کے لئے وہی ہے جو ہو چکا
اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے لیکن جو پھر (سود کی طرف)
لوٹا تو وہی لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے اور انہیں
وہیں رہنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو

اللہ لا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیمٍ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ ۔ فَاِن لَّم تَفعَلُوا فَاْذَنُوا بِحَربٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُولِہٖ وَاِن تُبتُم فَلَکُم رُءُوسُ اَموَالِکُم لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ ۔

بڑھاتا ہے کیونکہ وہ کفر کرنے والے گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو، اور جو کچھ تمہارا سود رہتا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، اگر تم توبہ کر لو تو تم اپنے راس المال لے سکتے ہو۔ (ہم یہ چاہتے ہیں) کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم ہو۔

یہاں جس لفظ کا ترجمہ ہم نے سود کیا ہے وہ ربا ہے۔ ربا کا لفظی مطلب اضافے کا ہے مگر یا راس المال کے استعمال کے لئے جو "اضافہ" وصول کیا جاتا ہے وہ منع ہے اسی اضافے کا اصطلاحی نام سود ہے۔ لہٰذا بڑی شرح سود اور چھوٹی شرح سود کے درمیان یہ لفظ کوئی فرق قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ یہ آیات سرمائے کی پیدائشی ضروریات میں کسی تخصیص کرنے سے انکار کرتی ہیں، سرمائے کا جو تعلق تجارت سے ہے اس کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ تجارت جائز ہے اور سود ناجائز ہے، لہٰذا ہمارے مغرب زدہ گروہ کا یہ اصرار کہ سود کی مناہی دراصل صارفی مقاصد کے قرضوں تک محدود ہے اور اس کا اطلاق پیدائشی سرمایہ کی فراہمی پر نہیں ہے محض افترا ہے۔ قرآن حکیم پیدائشی عمل اور سود کو (باوجود ان کے تعلق کے) کلی طور پر مختلف نوعیت کی چیزیں سمجھتا ہے، ایک کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرے کو حرام۔

تیسری قابل غور چیز وہ شدت بیان ہے جس سے سود کی مناہی کی گئی ہے۔ سارے قرآن میں کہیں کوئی گناہ اتنا سنگین نہیں بتایا گیا جسے اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول کے خلاف اعلان جنگ تصور کریں۔ یہ فقط سود لینا، اور ایک حدیث کی وضاحت کے مطابق دینا اور اس لین دین میں کوئی سہولت بہم پہنچانا ایسا جرم ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔

منافع اور سود میں کیا فرق ہے؟

سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم کیوں تجارت اور سود کو مختلف نوعیت کی چیزیں سمجھتا ہے۔ آخر تجارت کا منافع بھی راس المال پر ایک اضافہ ہے اس اضافے میں اور سود کے اضافے میں کون سا نوعی اور بنیادی فرق ہے جس کی بنا پر قرآن حکیم ایک کو حلال قرار دیتا ہے اور دوسرے کو حرام گردانتا ہے۔

منافع اور سود میں پہلا بنیادی اور نوعی فرق یہ ہے کہ سود متعین ہوتا ہے اور منافع غیر متعین۔ راس المال کے ہر سو روپے پر جب "اضافہ" کا اندازہ آمد و خرچ کا حساب کرنے کے بعد لگایا جائے گا کہ کتنی آمد خرچ سے زیادہ ہوئی

تو وہ منافع ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آمد اور خرچ میں فرق پڑنے سے کبھی منافع توقع سے بڑھ جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے کبھی کبھی منافع اتنا گھٹتا ہے کہ وہ نقصان کہلانا شروع کر دیتا ہے اگر یا منافع ایک متبدل چیز ہے۔ سود اس کے برعکس ایک معین شرح ہے۔ آمد اور خرچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کوئی لاکھ کمائے یا لاکھ کھوئے سود کو اپنی شرح سے کام ہوتا ہے۔ اس بنیادی فرق کو کئی دفعہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً حکومت ایک نیا قرضہ جاری کرے گی، جس پر تین فی صدی منافع دیا جائے گا"۔ یا یہ کہ "ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیئے ان پر ساڑھے چار فی صدی منافع ملتا ہے"۔ یا یہ کہ پوسٹل سرٹیفکیٹوں پر اتنے فیصدی منافع ملے گا" وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی منافع کی صورت نہیں، سارا سودی کاروبار ہے، ایک معین شرح پر قرض مانگا جاتا ہے، اسی کا نام سود ہے۔ منافع تو جب ہو کہ تین فی صدی، اور ساڑھے چار فی صدی" کی بجائے نفع (یا نقصان) کے ایک حصے کو قرضداروں کو دینے کا اعلان ہو چونکہ نفع کا حصہ ایک متبدل چیز ہوگی لہٰذا یہ سود نہ ہوگا۔ منافع ہوگا۔

دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ نفع حاصل کرنے کے لئے سعی کرنی پڑتی ہے نفع کسی کاوش اور محنت کے نتیجے کا نام ہے اور جہاں بلا واسطہ کوئی کاوش یا محنت نہیں کی جاتی مثلاً مشترک سرمائے کی کمپنیوں کے حصہ دار وہاں صحیح کمپنی کا چلنا بذات خود ایک کام ہے۔ علاوہ ازیں حصہ دار خود تو کام نہیں کرتا لیکن انتظامیہ حصہ داروں کے نمائندوں کی حیثیت سے کام کرتی ہے اور حصہ دار اس کے نگران ہوتے ہیں۔ سو منافع حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، اس کے بغیر نفع نہیں ہو سکتا۔ معاشی اصطلاح میں ایک عمل پیدائش کے بغیر نفع ممکن نہیں ہے۔ سود کے لئے عمل پیدائش کی کوئی ضرورت نہیں۔

سود اور منافع کے درمیان بنیادی فرق معلوم کر لینے کے بعد قرآن حکیم کا مفہوم خاصا واضح ہو جاتا ہے قرآن حکیم سرمائے کو پیدائشی مقاصد پر صرف کروانا چاہتا ہے۔ محنت یا نگرانی کے بغیر فوائد کا کسی کو مستحق نہیں سمجھتا۔ لہٰذا پہلے سے سرمائے کا معاوضہ معین کرلے کے خلاف ہے، بلکہ سرمائے کے معاوضے کو اسی طرح ایک متبدل چیز رکھنا چاہتا ہے۔ جس طرح عمل پیدائش سے متعلق ہر چیز تغیر پذیر ہوتی ہے اسلام میں یہ ممکن نہیں ہے کہ سرمایہ تو اپنی شرح لے کر الگ ہو جائے اور محنت اور تنظیم باوجود کاوش کے نقصان اٹھائیں۔

معاشیات مروجہ کا نقطۂ نظر مروجہ معاشیات[1] یہ کہتی ہیں کہ سرمایہ ایک عامل پیدائش ہے جس کے بغیر عمل پیدائش میں کوئی غیر معمولی ترقی ممکن نہیں۔ لہٰذا سرمایہ کی امداد حاصل کرنا ضروری ہے۔ پھر سرمایہ اپنی امداد کی ایک قیمت معین کرتا ہے۔ اگر وہ قیمت اسے نہ دی جائے، تو وہ عمل پیدائش میں

---

[1] اس سے میرا مطلب معاشیات کی وہ نوع ہے جو ہمارے کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تازہ فکر کو حتی الوسع طلباء سے دور رکھا جاتا ہے گویا علم بھی ایک طرح کی شراب ہے جس کا پرانا ہونا ضروری ہے۔

اپنا دستِ تعاون دراز نہیں کرے گا۔

مذہبی نواہی کے متعلق معاشیات کا جواب یہ ہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب لوگ صرفی مقاصد کے لئے قرض لیتے تھے۔ ایک شخص اگر گھر کے اخراجات کے لئے قرض لیتا ہے تو نامناسب ہے کہ اس سے سود مانگا جائے، ہاں البتہ اگر وہ ایک دوکان کھولنے کے لئے قرض مانگتا ہے تو لامحالا اس کو اس سے فائدہ ہوگا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ سود نہ ادا کرے۔

معاشیاتی نقطۂ نظر پر تنقید

اسلام کا معاشیات کے نظریۂ سود سے اختلاف مقاصد میں نہیں، دلیل اور اس کی وجہ سے طریقۂ عمل میں ہے۔ سرمایہ بے شک ایک عامل پیدائش ہے اور اس کا تعاون حاصل کرنا یقینی عمل پیدائش کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن سرمایہ کا معاوضہ عمل پیدائش کی حدود کے اندر متبدل ہونا چاہیئے اور اسے عمل پیدائش سے غیر متعلق چیز کی طرح متعین نہیں کیا جاتا۔ سرمائے کا متبدل معاوضہ (یا منافع) اسلام قبول کرتا ہے لیکن متعین معاوضہ (یا سود) رد کر دیتا ہے۔

جہاں تک معاشیات کے اس نظریے کا تعلق ہے کہ اگر سرمائے کی قیمت سود کی شکل میں ادا نہ کی جائے تو وہ عمل پیدائش میں شریک نہیں ہوگا اس کا واضح ابطال گذشتہ پچاس سال کا تجربہ کرتا ہے، گذشتہ نصف صدی میں سود کی شرح مسلسل گھٹتی رہی ہے۔ لیکن اس دوران میں سرمائے کی مقدار مسلسل بڑھتی رہی ہے، سود کی شرح جتنی کم آج ہے اتنی معاشیات کی تاریخ میں کبھی نہیں تھی، اور جتنا سرمایہ عمل پیدائش میں آج شریک ہے وہ بھی معاشیات کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اگر سود کی شرح کا سرمائے کے مہیا ہونے کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو صورتِ حال اس کے بالکل الٹ ہوتی!

جہاں تک مذہبی ممانعت کے متعلق معاشیات کی صرفی اور پیدا آوری تخصیص کا تعلق ہے وہ اسلام کے احکام سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ سرمائے کی ضرورت خواہ نجی وجوہات سے ہو یا کاروباری وجوہات سے اسلام ہر دو مقاصد کے لئے سود حرام قرار دیتا ہے، بلکہ قومی مقاصد کے لئے بھی، روپیہ نہ سود پر لیا جاسکتا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے۔

معاشیات میں سود کے نظریے

ابتدا میں تمام مفکرین مذہبی ممانعت کے زیر اثر یا سود کی بدیہی ناانصافی کے پیش نظر سود کی مخالفت کرتے رہے۔ ارسطو نے ایک بڑے پتہ کی بات کہی تھی جسے ہم نے بالکل بھلا دیا ہے کہ روپیہ روپے کو پیدا نہیں کرتا[1] مقصد یہ تھا کہ روپیہ پیدائش دولت میں ممد تو ہے لیکن کلی طور پر خود اس کا باعث نہیں۔ یہی نقطۂ نظر افلاطون کا تھا[2]

چنانچہ ابتدا میں یورپ کے بیشتر گرجا اور حکومتیں سود کے خلاف تھیں اس کے بعد سرمائے کی ضرورتوں کے

---

[1] ارسطو، پالیٹکس، کتاب اول باب دہم [2] افلاطون کتاب پنجم

پیش نظر ان قیود کو آہستہ آہستہ ڈھیل دی گئی، اور سود کے باقاعدہ نظریے معاشیین نے وضع کئے۔ ان نظریوں کی سب سے اہم خامی یہ ہے کہ وہ آج تک کوئی قابل قبول جواب نہیں دے سکے کہ آخر سود کیوں ادا کیا جائے؟

سب سے پہلی دلیل جو سود کی ادائیگی کے حق میں دی گئی وہ یہ تھی کہ سرمایا مہیا کرنے والا اپنی ضرورتوں کو ترک کر کے قرض دیتا ہے لہٰذا اسے ان ضرورتوں کو ترک یا ملتوی کرنے کی قیمت ادا کرنی چاہیئے۔ اس لئے اسے سود کا تارک نظریہ[1] کہا جاتا ہے۔۔

اس دلیل میں کئی دقتیں ہیں۔ اول یہ کہ ضرورتوں کو ترک یا ملتوی کرنا اپنی ذات میں کوئی پیدائش آور کام نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنی ضرورتیں ترک کر کے روپیہ کو زمین میں دبا دیتا ہے یہ کام عمل پیدائش میں کوئی مدد نہیں کرتا، اگر وہ زمین میں نہ دبائے بلکہ تجارت کے کام میں لگانے کے لئے دے یا کسی کی نجی ضرورت کے لئے قرض دے یا کسی حکومت کو جنگ لڑنے کے لئے قرض دے جب بھی کوئی عمل پیدائش ظہور میں نہیں آئے گا حالانکہ وہ اپنی ضرورتیں ترک کر چکا ہے۔ اور لہٰذا سود کا مستحق ہو چکا ہے۔ سود کا تارکی نظریہ سرمائے کے استعمال کی مختلف صورتوں میں کوئی تخصیص نہیں کرتا۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ سرمائے کی پیدائش دولت میں تعاون یا عدم تعاون سے کوئی سروکار نہیں رکھتا حالانکہ بنیادی جواز سود کا یہی بتایا گیا ہے کہ وہ سرمایہ مہیا کرتا ہے جس سے پیدائش دولت میں مدد ملتی ہے۔

دوسری دقت اس تارکی نظریۂ سود میں یہ ہے کہ یہ سرمایہ داروں کو درویشوں کے قریب قریب لاکے کھڑا کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم یہ تصور کریں کہ سرمایہ دار کچھ تارک الدنیا قسم کے لوگ ہیں جنہیں اپنی ضرورتیں ترک کرنے کا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ ایک سوشلسٹ مصنف نے اس پر خوب پھبتی کسی تھی کہ سچ تو یہ ہے بیرن راتھس چائلڈ (یورپ کا کروڑپتی یہودی سرمایہ دار) کے برابر کا تارک الدنیا درویش کون ہے! امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے سرمائے کا کثیر حصہ اول تو ادارے مثال کے طور پر مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں مہیا کرتے ہیں جن کی ایک کاروباری "ضرورت" ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ محفوظ سرمایہ جمع کریں تاکہ کساد بازاری کے زمانے میں ان کا استحکام قائم رہ سکے۔ ان کے لئے کسی ضرورت کو ترک کرنے اور پھر اس کا معاوضہ ادا کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا! اور پھر وہ سرمایہ جو افراد مہیا کرتے ہیں اس کا کثیر حصہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جنہیں ضرورتیں چھوڑ، راحتیں اور عشرتیں تک بھی قربان کرنا نہیں پڑتیں!

مارشل نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے۔ "ضروریات کو ترک" کرنے والی بات چھوڑ کر "انتظار" کا لفظ چنا ہے۔ سرمایہ دار کو اپنا سرمایہ ایک خاص مدت کے لئے دینا پڑتا ہے، اور جب تک سرمایہ واپس نہیں آتا اُسے انتظار کھینچنا ہوتا ہے لہٰذا اس انتظار کے کرب کی قیمت اُسے سود کی شکل میں ادا کرنی چاہیئے۔

سوال یہ ہے کہ اس انتظار میں کرب ہے بھی کہ نہیں۔ معاشیین اس چیز کو ایک مسلمہ کے طور پر قبول کرتے

---

[1] ABSTINENCE THEORY OF INTEREST

ہیں کہ "انتظار" کرکے سرمایہ دار ایک قربانی کر رہا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ہی بے بنیاد ہے۔ کیا اگر سود کی ترغیب موجود نہ ہو تو افراد اپنے یا بیوی بچوں کے مستقبل کے لئے پس انداز کرنا بند کردیں گے؟ کیا مشترکہ سرمائے کی کمپنیاں محفوظ سرمایہ کی شکل میں احتیاط کرنا بند کردیں گی؟ اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی تو ان پس اندازیوں کو نہ ہوا میں معلق رہنا ہے اور نہ یہ زمین میں دبانے کا زمانہ ہے، کہ یہ رقمیں "انتظار" کا کوئی کرب محسوس کئے بغیر عمل پیدائش میں شریک ہوتی ہیں اور ہوسکتی ہیں (بشرطیکہ آج کل کے سودی بنک انہیں ذخیرہ کرنے کا ڈھب نہ سکھائیں)

جب معاشیین محسوس کرتے ہیں کہ یہ انتظار والی بات میں بھی پانی مرتا ہے[1]، تو وہ ایک دوسری سمت میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں، کہ سرمایہ عمل پیدائش کا بڑا مؤثر کارکن ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ دولت کی پیدائش میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ اس نظریہ کا نام سود کا نظریہ پیدا آوری[2] ہے۔

یہ دلیل اپنی ذات میں ایسی ہے کہ اس پر کوئی شخص اعتراض نہیں کرسکتا، لیکن اس کی اپنی ذات بڑی محدود ہے۔ اعتراض سود پر یہ نہیں کہ سرمائے کو دولت کی پیدائش میں کیوں حصہ دیا جاتا ہے بلکہ چیز یہ ہے اس کا حصہ پہلے سے متعین کیوں کردیا جاتا ہے اور اس مشکل کا حل یہ نظریہ یوں کرتا ہے کہ اس اعتراض کا جواب ہی نہیں دیتا۔

سچی بات تو یہ ہے، کہ اگر سود کے پیدا آوری کے نظریہ کو اس کے منطقی نتیجہ تک بڑھایا جائے تو سود کے تعین میں عمل پیدائش کے اختتام سے پہلے آپ اس کے نتیجے سے کیسے واقف ہوسکتے ہیں؟ اور نتیجے سے واقف ہوئے بغیر آپ سرمائے کی پیدا آوری کو کیسے ماپ سکتے ہیں؟

لیکن اگر نظریہ سود کی تشکیل نو اس راستے پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سرمایہ متعین سود کی جگہ متبدل آمد کا ایک حصہ لیا کرے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو سرمائے کے اس معاوضہ پر نہ اسلام معترض ہوگا نہ انسانیت نہ منطق!

معلوم ہوتا ہے کہ معاشیین نے کچھ عرصے کے بعد محسوس کیا کہ ان کے پاس سود کے جواز کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا آج کل کے سود کے نظریئے بجائے یہ بتانے کے کہ سود کے جواز کی دلیل کیا ہے۔ صرف یہ بتاتے ہیں کہ سود کیسے معین کیا جاتا ہے۔ یا سود معین کرنے کا طریقہ معاشیات میں وہی بتایا جاتا ہے جو قیمت معین کرنے کا عام طریقہ ہے۔ یعنی طلب اور رسد کے باہمی توازن سے ہر چیز کی قیمت معین ہوتی ہے اسی طرح سرمائے کی قیمت بھی تو

---

[1] ہم نے سود کے آسٹرین نظریہ کا جائزہ علیحدہ نہیں لیا۔ کیونکہ اس میں اور مارشل کے "انتظار" کے تصور میں سوائے الفاظ کے کوئی فرق نہیں ہے۔ وہاں سود "انتظار" کی قیمت ہے۔ یہاں "وقت کی ترجیح" کو قربان کرنے کی قیمت ہے۔ مطلب یہی ہے کہ خرچ کو ملتوی کرنے کا بدلہ سرمایہ دار کو ملنا چاہیئے۔ اس پر وہ سب اعتراض صادق آتے ہیں جو انتظار والے سود کے نظریہ پر ہم نے کئے ہیں۔

[2] PRODUCTIVITY THEORY OF INTEREST

درحقیقت سرمائے کی طلب اور رسد سے ہی طے پاتی ہے۔ اور باقی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو سرمائے کی طلب بڑھنے پر اس کی قیمت کی شرح بڑھ جاتی ہے اور رسد بڑھنے پر اس کی قیمت کی شرح کم ہو جاتی ہے۔

معاشیین یہاں یہ بھول گئے ہیں کہ قیمت کا تعین کرنا مبادلۂ دولت کا مسئلہ ہے تقسیم دولت کا نہیں اور سرمائے کا معاوضہ معین کرنا تقسیم دولت کا اہم سوال ہے۔ جسے مبادلہ دولت سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا سرمائے کا معاوضہ قیمت کے عام تعین کے اصول پر طے کرنا غلط ہے۔ سرمائے کے معاوضے کا تعین اس کے بغیر ممکن نہیں کہ قومی دولت کا تعین کیا جائے اور پھر سرمائے کا قومی دولت کی پیداوار میں حصہ معلوم کیا جائے۔ آخر سرمائے کے معاوضے کا بنیادی جواز تو یہی ہے کہ وہ پیدائش دولت میں مدد دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیدائش دولت دیکھ کے ہی اس کا معاوضہ طے کیا جا سکتا ہے۔ یہ طلب و رسد والی بات تو بڑی حد تک خلط بحث ہے۔ کسی عامل پیدائش کا معاوضہ محض رسد و طلب کے توازن سے عبارت نہیں کہا جا سکتا۔

اسلام کا سرمائے کے معاوضے کا نظریہ

اسلام دولت کی پیدائش کو ایک مستحسن چیز سمجھتا ہے۔ زراعت تجارت اور صنعت تینوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اور پہلی دو کے ساتھ تو حضور کا اپنا تعلق بھی رہا ہے۔ لہٰذا بنیادی چیز جو اسلام کو کئی دوسرے دینوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے پیدائش دولت ایک مستحسن کام ہے[1]۔ اور اس حد تک معاشیات اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سرمائے کو اسلام ایک عامل پیدائش تصور کرتا اور اسے معاوضے کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ قراض یا مضاربت کے جواز میں یہ دونوں تصورات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ قراض کے کاروبار میں سرمایہ دار اور محنت کش دونوں نفع پاتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے سرمائے کی وجہ سے اور مضارب اپنی محنت کی وجہ سے نفع کا حقدار ہوتا ہے[2]۔

گویا محض سرمایہ مہیا کرنا عمل پیدائش میں کوئی سہولت بہم پہنچاتا ہے جس کی وجہ سے نفع میں شرکت کا حقدار ہو جاتا ہے

---

[1] یہاں غالباً یہ بات کہہ دینی چاہیئے کہ اسلام میں پیدائش دولت خود کوئی مقصد نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت ہے۔ جس کے پورا کرنے کی طرف آنحضور نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ انفرادی زندگی میں افلاس سے بچنے کی بڑی سعی کرنی چاہیئے کیونکہ یہ "دونوں جہانوں میں منہ کالا کرتا ہے" (حدیث) البتہ اپنے مقصد حیات کو بھولنا نہیں چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کہ اسے چھوڑ کر ان احمقوں کی صف میں شامل نہیں ہونا چاہیئے جو چھوٹے سکوں کی تعداد اپنے بنکوں میں جمع کرتے جاتے ہیں اور حالانکہ جتنے سکے موجود ہیں وہ ان کی ساری زندگی اور ان کی اولاد کی ساری زندگی کے لئے کافی ہیں پھر بھی وہ اور سکے اپنے حساب میں جمع دیکھنے کی خواہش میں لاکھوں دھوکے اور رنجش کے جال بنتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں بھول چکا ہے کہ تعفف ایسی چیز ہے جس پر رسول اکرم کو فخر تھا۔ چونکہ یہ موضوع باوجود اپنی اہمیت کے ہمارے خاص معاشی مبحث سے بلند تر سطح رکھتا ہے اس لئے اصل مضمون میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

[2] ہدایہ جلد ۲ کتاب المضاربۃ جسے سلیپنگ پارٹنرشپ کہا جاتا ہے یعنی روپیہ مہیا کرنا اور کام نہ کرنا اسے اہل حجاز قراض اور اہل عراق مضاربۃ کہتے ہیں۔

سرمائے کے معاوضے کے جواز کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کا مال بیچا اور انہیں منافع میں شریک کیا!

یہاں تک اسلام اور معاشیات کا اندازِ فکر قریب قریب متوازی چلتا ہے۔ لیکن پھر مختلف راستے ہو جاتے ہیں۔ اسلام معاشیات کی طرح اپنے اس قول کو قبول نہیں جاتا کہ سرمائے کے معاوضے کا جواز عمل پیدائش میں اس کی امداد ہے۔ لہٰذا اسلام کہتا ہے عمل پیدائش کو مکمل ہونے دو پھر جانچو کیا نفع ہوا۔ پھر اس نفع کو مختلف عوامل پیدائش میں بانٹ دو جن میں سے سرمایہ ایک ہے۔

معاشیات کا یہ تصور کہ سرمائے کو عمل پیدائش کی ابتدا ہی میں ایک معین شرح پر حاصل کیا جائے اسلام کو ایک لمحہ کے لئے بھی قابل قبول نہیں۔

اسلام اس چیز کا عملاً اعتراف کرتا ہے کہ پیدائش دولت ایک متبدل چیز ہے چنانچہ وہ اس چیز کے حق میں ہے کہ تمام خارجی اثرات جو عمل پیدائش کی نوعیت، مقدار اور کامیابی پر اثر انداز ہوتے ہیں ان سب کا جائزہ لیا جائے۔ آبادی گھٹے یا بڑھے۔ معیار حیات بلند ہو یا پست سکے کی مقدار میں اضافہ ہو یا کمی۔ اس کی قیمت بلند ہو یا نیچی۔ نئی ایجادات ہوں یا نہ ہوں، ذوق اور فیشن بدلیں یا نہ بدلیں ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اسلام کا نظریہ احاطہ نہیں کرتا۔ ہر محرک کو اس کی صحیح صورت میں اسی وقت ماپا جا سکتا ہے۔ جب عمل پیدائش کے اختتام پر اندازہ لگایا جائے کہ اس کا نفع (یا نقصان) میں کیا حصہ ہے۔ اگر آپ یہ کر لیں تو وہ کون سا محرک ایسا اچھوتا ہے جو آپ کی گرفت سے باہر ہو؟

اسلام کا اصرار بس اتنا ہی ہے کہ سرمائے کا معاوضہ معین کرنے سے پہلے عمل پیدائش کا پورا جائزہ لے لیجئے اور سرمائے کو اس پیدائش کا ایک حصہ دے دیجئے جس کا وہ باعث ہوا ہے۔

اسلام کا نظریہ اصل میں معاشیات کے سود کی پیداآوری والے نظریئے کو دو چیزیں بخشتا ہے۔ وسعتِ تصور اور فکری ہم آہنگی اور یہ دو چیزیں بخش کر اُسے اپنا لیتا ہے[1]۔ وسعتِ تصور ان معنوں میں کہ وہ ان سب داخلی اور خارجی محرکات کو پیش نظر رکھتا ہے جو پیدائش دولت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے معاشیین کا فکر بڑی حد تک تہی ہے۔ فکری وحدت اس رنگ میں دیتا ہے کہ وہ سرمائے کے معاوضے کا یہ جواز تسلیم کرنے کے بعد کہ سرمایہ پیدائش دولت کا ایک عامل ہے۔ لہٰذا پیدائش دولت کے ایک حصے کا حقدار ہے (اسے بھولتا نہیں اور پھر معاوضہ بجائے پیدائش دولت کے ایک حصے کے ایک معین شرح سود کی شکل میں نہیں دینا شروع کرتا) بلکہ برابر اپنے تصور پر قائم رہتا ہے کہ سرمایہ پیدائش دولت کا ایک عامل ہے لہٰذا پیدائش دولت ماحصل اور سرمائے کا حصہ

---

[1] اپنا لینے کے بعد وہ سود کا نظریہ نہیں کہلا سکتا کیونکہ اس کی نوعیت بدل چکی ہے۔ لہٰذا اگر اسے کوئی نام دینا ہو جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ "سرمائے کے معاوضے کا نظریہ پیداآوری" ہوگا۔

تعامت

اس دولت کی پیدائش کے مطابق اسے دے دو۔ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (نہ تم ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم ہو) البقرہ

سود کا زہر

اب تک ہم خالص نظریاتی بحث کرتے رہے ہیں اور معاشیات کا دامن سود کے معاملے میں اتنا تہی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ معاشیات کا کوئی سود کا نظریہ ہے ہی نہیں تو چنداں مبالغہ نہ ہوگا جنہیں نظریے کہا جاتا ہے ان میں اتنی فکری سکت ہی نہیں کہ یہ لفظ ان کے لئے استعمال کیا جا سکے!

لیکن ایک دوسری صورت پرکھنے کی بھی موجود ہے۔ جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے نظریہ اپنے عملی نتائج سے پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر اس پہلو سے جانچیں جب بھی سود کے شائقین کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئے گی جس پر وہ فخر کر سکیں[2]۔

یہ ایک مسلمہ کے طور پر مانا جاتا ہے کہ دنیا کے جتنے قدرتی وسائل ہمارے علم میں ہیں، ان پر اگر سب انسان کام کر سکیں اور کام کرنے کے لئے انہیں وہ آلات میسر ہوں جو ہم اپنے موجودہ علم کی بنا پر مہیا کر سکتے ہیں تو ہر شخص دو گھنٹے کی محنت کے بعد اپنی تمام ضروریات اور راحتیں حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ راحتیں چھوڑ غذا اور کپڑے تک کی ضرورتیں دنیا کی ایک وسیع آبادی کو دستیاب نہیں ہو رہی ہیں۔ لوگ کام کرنے کے لئے موجود ہیں۔ قدرتی وسائل تسخیر ہونے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یا تو سرمایہ دستیاب نہیں ہوتا یا کچھ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ بیشتر قدرتی وسائل تک انسانی اختیار نہیں پہنچتا اور بیشتر انسان بیکار رہتے ہیں۔ غیر محدود قدرتی وسائل کے درمیان جو ہماری جھولی بھرنے کو تیار ہیں ہم تہی دامن ہیں اور کبھی کبھی بے مان بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ "جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کی حالت ایسی ہوگی۔ جیسے کسی کو شیطان نے خود چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو" (البقرہ)

سوال یہ ہے کہ باوجود انسانوں اور قدرتی وسائل کی موجودگی کے سرمایہ کیوں مہیا نہیں ہوتا کہ ان سب چیزوں کو بروئے کار لا سکے؟

سرمایہ مہیا تو ہوتا ہے لیکن جس قیمت پر مہیا ہوتا ہے اس پر اس کا استعمال کرنا فائدہ بخش نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ آج صنعتی سرمائے کی فراہمی کی قیمت پانچ فیصدی سود ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس میں سات آٹھ بلکہ دس فیصدی تک فائدہ ہو۔ چونکہ توقعات اور امر واقعہ میں عموماً فرق ہو جاتا ہے لہٰذا کوئی عمل پیدائش دس فی صدی سے کم فائدہ کا سودی قرض حاصل کر کے نہیں کیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ صرف وہی وسائل استعمال میں

---

[1] یہ بحث چونکہ خالص معاشی نقطۂ نظر سے ہے اس لئے انصاف اور بھائی چارے کے عناصر پر زور نہیں دیا گیا ہے جو اسلام کے سرمایے یا معاوضے کے تصور کے خاص اجزا ہیں۔

[2] اختصار کی غرض سے یہاں محض اشارات پر اکتفا کروں گا۔ ناظرین اگر تشنگی محسوس کریں تو انہیں راقم الحروف کی انگریزی تصنیف (ECONOMICS OF ISLAM) میں کئی دلچسپی کی چیزیں ملیں گی۔

آ رہے ہیں جو دس فی صدی سے زیادہ فائدہ بخشتے ہیں یا اتنے فائدہ کی توقع ان سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیشتر قدرتی وسائل اور انسان اس لئے بیکار رہیں کہ سرمائے کو اپنی غیر متبدل فیصدی کی شرط ان کاموں پہ پوری ہوتی نظر نہیں آتی ۔ یہ ہے پہلا اہم نتیجہ سود کا کہ یہ سرمائے کی کارکردگی کو محدود کر دیتا ہے ۔ لہٰذا انسانوں اور قدرتی وسائل کے ایک بہت بڑے حصّے کو بیکار چھوڑنے پہ مجبور ہے

سود صرف سرمائے کی کارکردگی کو محدود کر کے قدرتی وسائل اور انسانوں کو بے کار نہیں رکھتا بلکہ ایک دوسرا اثر ہماری معاشی زندگی پر یہ کرتا ہے کہ جہاں جہاں انسانوں اور وسائل کو کام پہ لگاتا ہے وہاں مصنوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافے کا باعث ہوتا ہے ۔

سود کی متعین شرح تمام مصنوعات کے مصارف پیدائش میں اضافہ کر دیتی ہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مصنوعات کی مانگ اتنی نہیں ہو سکتی جتنی بغیر سود کے پیدا ملی ہوتی چیزوں کی ممکن ہے ۔ یہ تو نظریہ قدر کا ایک مسلمہ ہے کہ قیمت کبھی مختتم صرفہ پیدائش سے کم نہیں ہو سکتی اور مختتم صرفہ پیدائش سود کی معین شرح بڑھا دیتی ہے لہٰذا قیمت تو کم نہیں ہو سکتی، اور مانگ بھی اس کے نتیجے میں بڑھ نہیں سکتی لہٰذا مصنوعات کی مقدار کو کم کیجئے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اور قدرتی وسائل اور انسانوں کو بے کار کر دیجئے یعنی مصنوعات کی مانگ کو اور کم کیجئے ۔ لہٰذا ان کی پیداوار کو اور کم کیجئے، اور یہ چکر چلاتے جائیے حتیٰ کہ اقتصادی بدحالی اور کساد بازاری کا دور دورہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے ۔

یہاں ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ عمل پیدائش کے لئے سود کی شرح تو عام طور پر فرض کیجئے چھ فی صدی ہے اس سے مختتم صرفہ پیدائش میں صرف چھ فی صدی کا اضافہ ہو گا، کیا یہ چھ فی صدی اضافہ اتنا تباہ کن ہے کہ یہ وہ خطرناک چکر شروع کر دیتا ہے جو کساد بازاری سے ادھر ہمیں کہیں رکنے نہیں دیتا ۔

اس اعتراض میں عمل پیدائش کی آج کل کی نوعیت پر نظر نہیں رکھی گئی عمل پیدائش وسیع پیمانے پر کیا جاتا ہے جس میں تقسیم کار اور پھیلاؤ کی وجہ سے سود کا اطلاق ایک دفعہ نہیں ہوتا بلکہ کئی بار ہوتا ہے ۔ آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی ہے اس کے کپڑے کی قیمت پر سود کا بار محض یہ نہیں ہے کہ کپڑے بننے کے کارخانے والے نے سو پر روپیہ قرض لیا تھا، بلکہ یہ بھی ہے کہ کپاس بیلنے کے کارخانے نے بھی سود پر قرض لیا تھا۔ تار کشی کے کارخانے نے بھی سود پر قرض لیا تھا پھر کپڑے کے تھوک بیوپاری نے بھی سود پہ سرمایہ حاصل کیا ہوا ہے اور پرچون بیچنے والے کا سرمایہ بھی سود پہ حاصل کیا گیا ہے ۔ انتہا ایک طرف تو یہ ہے کہ کپاس پیدا کرنے والے کاشتکار نے سود پہ قرض لے کر بیج خریدا ہے، اور دوسری طرف یہ ہے کہ حکومت نے اربوں روپیہ سود پر قرض لیا ہوا ہے جس کے سالانہ سود کی ادائگی لامحالہ ان ٹیکسوں کی شرح بڑھا دیتی ہے ۔ جو کپڑے کے کارخانوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں یا کپڑے کے دکاندار کے بیوپاری ادا کرتے ہیں لیکن اس تمام سودی کاروبار کا خمیازہ آپ بھگت رہے ہیں کہ کپڑے کی قیمت اس نسبت سے بہت زیادہ ہے جو سود کے بغیر آس

کی ہوتی: اضافہ معین کرنا مشکل ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ چھ فی صدی سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔

ہم کساد بازاری، افلاس اور تباہی کے صحراؤں کی جانب ایک نہایت خوب صورت پل پر سفر کر کے پہنچتے ہیں۔ یہ پل سود کا پل ہے۔ اس پل کے نیچے ہم نے بڑے مضبوط ستون تعمیر کر رکھے ہیں بالخصوص سروں پر۔ ایک سرے کے ستون سود کے اس بار سے تعمیر ہوتے ہیں جو وہ صرف پیدائش پر ڈالتا ہے اور دوسری جانب کے سرمائے کی کارکردگی کی وہ تحدید بناتی ہے جو سود کا بلاواسطہ نتیجہ ہے۔

معاشیات میں ایک مسلمہ کے طور پر کہا جاتا ہے "سرمایہ وہ خون ہے جو عمل پیدائش کے جسم میں سرایت کر کے اسے زندگی بخشتا ہے"۔ اسلام اس نظریہ سے متفق ہے۔ صرف وہ ایک اتنے ہی مسلمہ کے طور پر ایک فقرے کا اضافہ کرتا ہے۔ "اگر یہ سرمایہ سود کا زہر لے کر عمل پیدائش کے جسم میں داخل ہوگا، تو نتیجہ دیوانگی ہوگا"۔

کیا سود ناگزیر ہے

کئی لوگ تو ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ سود دورِ حاضر کی معاشی بدنظمی کی بنیاد ہے لیکن وہ اسے ناگزیر سمجھتے ہیں کیونکہ سرمایہ مہیا ہونے کی کوئی اور اساس انہیں چنداں قابل قبول نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ تو کچھ اس طرح کی بات ہے جیسے کوئی کشتی چلاتا دریا کے بہاؤ کی سمت جا رہا ہو اور اسے یکایک ایک موڑ کاٹنے پر دریا کا اگلا حصہ کئی ہزار فٹ نیچے نظر آئے اور اسے یقین ہو جائے کہ کوئی بہت بڑا آبشار اس کے راستے میں ہے وہ دائیں بائیں دیکھے تو اونچے نیچے ناہموار پہاڑ اسے نظر آئیں اور اس پیدل راستے کی دقتوں سے بچاؤ اسے کشتی میں بیٹھے رہنا اور آبشار میں ڈوب مرنا ہی نظر آئے۔

ظاہر ہے ہمیں یہ نقطۂ نظر اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ چیز تسلیم کر لی جائے کہ سود سے ہماری معاشی بدنظمی پیدا ہوتی ہے تو ہمیں فوراً سرمایہ مہیا کرنے کی کوئی اور اساس ڈھونڈنی چاہیئے۔ اگر ہم سنجیدگی سے یہ کام کریں تو ایسی علامات موجود ہیں کہ ہمیں تلاش میں بہت دور بھٹکنا نہیں پڑے گا۔

تجارت، صنعت اور بنک کاری میں سرمائے کے سلسلے میں ایسے عنصر موجود ہیں جو سرمائے کا معاوضہ منافع کے ایک حصہ کی شکل میں دیتے ہیں۔ ان عناصر کا احتیاط سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر یہ قابل قبول ہوا تو انہیں پیدائش دولت کی ہر اس منزل میں شریک کار کیا جا سکتا ہے۔ جہاں آج تک ان کا اطلاق نہیں ہوا۔

یہ کام ظاہر ہے کسی ایک فرد کا کام نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کسی کا کام ہی نہیں! اگر قوم واقعی اسلام کے نظام فکر و حیات کو "ایک تیسرا راستہ" تصور کرتی ہے تو اسے حکومت کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ اس اساسی سوال پر غور کرنے کے لئے چند ماہروں کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو سود کا نعم البدل تجویز کر سکیں۔